تذکرۂ علماے ہندوستان ☆

[مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء]

سفیر اختر*

ستمبر ۲۰۱۸ء میں مشاہیرِ برعظیم کی تذکرہ نگاری کے حوالے سے ایک اہم کتاب تذکرۂ علماے ہندوستان شائع ہوئی۔ کتاب کے محتویات کی وضاحت اِس جملے سے کی گئی ہے: ''برصغیر میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ایک ہزار مشاہیر علماء، مشائخ اور ادباء کا ۱۲۵ برس قدیم اور مستند قلمی تذکرہ۔'' اس کے مؤلف مولانا سیّد محمد حسین سید پوری بدایونی (۲۸ رجون ۱۸۶۲-۱۹۱۸ء) ہیں۔ اُنھوں نے ۱۳۱۵ھ/[۱۸۹۷ء] میں اس تذکرے کی داغ بیل ڈالی، اور ۱۳۱۷ھ/[۱۸۹۹ء] میں اسے مکمل کیا، اور اِسے مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء کا نام دیا (نام کے اوّلین حصے، مظہر العلماء سے سالِ تکمیل ۱۳۱۷ھ برآمد ہوتا ہے)۔ مؤلف نے تذکرے کی تکمیل کے فوراً بعد اس کا ایک نسخہ طباعت کی غرض سے ہفت روزہ وفادار (لاہور) کے مالک و مدیر مولوی محمد فضل الدین؛ کے پاس بھیج دیا، مگر تذکرے کی طباعت کی کوئی صورت نہ بن سکی، اور مؤلف اپنی اس کاوش میں تاحینِ حیات اضافات کرتے رہے۔ تذکرے کی شہرت ایک محدود سے حلقے سے باہر نہ آسکی۔ اس کے ایک خطی نسخے کی موجودگی کی اطلاع پہلی بار پروفیسر محمد ایوب قادری (م ۱۹۸۳ء) نے تذکرۂ علماے ہند (مؤلفہ رحمٰن علی خان) کے اُردو ترجمے کے پیش لفظ میں بایں الفاظ دی:

> جولائی-اگست ۱۹۶۰ء میں خاکسار کو بریلی، بدایوں اور علی گڑھ کے سفر کا اتفاق ہوا۔ شیخ عبدالحمید السالم میاں، سجادہ نشیں درگاہ قادریہ بدایوں اور مولوی عبدالمجید اقبال میاں کی عنایت سے مدرسہ قادریہ بدایون کا نادر کتب خانہ دیکھنے کو ملا۔۔۔ اس کتب خانے میں ایک کتاب مظہر العلماء نظر سے گزری۔ مولوی محمد حسین بن سیّد بخشش علی ساکن قصبہ سید پور ضلع بدایوں نے تیرہویں اور چودھویں صدی کے علماء کے حالات میں یہ ایک مفصل اور جامع تذکرہ لکھا ہے...[1]

☆ لاہور: دارالنعمان پبلشرز، ستمبر ۲۰۱۸ء: ۹۴۴۔

[1] ''پیش لفظ''، تذکرۂ علماے ہند (مولفہ: رحمٰن علی خاں، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری)، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۱: ۲۷۔ تذکرۂ علماے ہند کے مفصل مقدمے میں ڈاکٹر سیّد مُعین الحق نے برعظیم میں علماء کرام کے احوال و آثار پر مشتمل کتابوں کا جامع جائزہ لیا ہے (صفحات ۳۵-۶۶)، اِس کے آخر میں مظہر العلماء کے حوالے سے وہی اطلاعات دہرادی ہیں جو پروفیسر محمد ایوب قادری نے فراہم کی ہیں۔

* سابق چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

Scanned with CamScanner

پروفیسر محمد ایوب قادری نے مظہر العلماء کے اس نسخے سے متعدد علماء کے حالات اخذ کیے، اور تذکرۂ علماے ہند کے حواشی میں ان سے کام لیا۔ اُنھوں نے اپنی تالیف مولانا محمد احسن نانوتوی[1] میں مظہر العلماء سے مولانا کا ترجمہ من وعن نقل کیا، اسی طرح یہ تذکرہ اُن کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے مصادر میں بھی شامل ہے۔[2] مدرسہ قادریہ بدایوں کے نسخے کے علاوہ ۱۹۷۰ء میں اُنھیں مولوی محمود الحسن بدایونی (م ۱۹۷۵ء) کے ہاں مظہر العلماء کا ایک اور نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جو ناقص الآخر تھا۔

مظہر العلماء سے پروفیسر محمد ایوب قادری کی دلچسپی میں علمی پہلوؤں کے ساتھ ایک نوع کا ذاتی تعلق بھی تھا۔ سید پور (نزد بدایوں) کے بنیان گزار شاہ نور غازی، مؤلف مظہر العلماء کے نسبی بزرگ تھے، اور شاہ نور غازی کے مزار (موقوعہ موضع منونہ متصل آنولہ) سے متعلق جو معافی تھی، اس کے متولی پروفیسر صاحب کے بزرگ تھے، نیز مؤلفِ مظہر العلماء نے پروفیسر صاحب کے جد اعلیٰ حکیم محمد سعید اللہ قادری سے استفادہ کیا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں پروفیسر صاحب نے مظہر العلماء سے منتخب ۶۱ علماء کے تراجم اپنے حواشی کے ساتھ مرتب کیے جو سہ ماہی العلم (کراچی) میں شائع ہوئے۔[3]

پروفیسر محمد ایوب قادری کے اخذ و استفادہ کے بعد اسید الحق قادری بدایونی کی نگرانی میں مولوی عبدالعلیم قادری مجیدی نے خانقاہ قادریہ بدایون کے اکابر کے احوال تذکرۂ خانوادۂ قادریہ[4] کے نام سے مرتب کیے تو اُنھوں نے علماء و مشائخ اور شعراء کے تذکروں سے، اُن کی تاریخِ تسوید کی ترتیب سے خانوادہ قادریہ کے مشائخ و علماء کے تراجم الگ الگ اجزاء میں بقید صفحات نقل کر دیے ہیں۔ مظہر العلماء سے مرتب نے نو (۹) افراد کے تراجم من وعن نقل کیے ہیں۔[5]

مظہر العلماء کے مذکورہ تعارف کے بعد جناب خوشتر نورانی نے اِسے تحقیق، تدوین اور تحشیہ کے لیے منتخب کیا، اور اپنے کارِ تحقیق کو ڈاکٹریٹ کے سندی مقالے کے طور پر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی میں

---

۱ کراچی: روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، ۱۹۶۶: ۱۰۴۔

۲ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۸ء۔ یہ مقالہ ۱۹۷۸ء میں شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی، کراچی میں پیش کیا گیا تھا۔

۳ ''مظہر العلماء: تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کے ۶۱ علماء''، العلم (کراچی)، بابت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء: ۳۳-۵۲۔ پروفیسر محمد ایوب قادری کے اس مضمون کی تلخیص اور انتخاب: ''مظہر العلماء: ۱۳۱۷ھ'' کے زیرِعنوان خلیل احمد رانا نے مرتب کیا ہے۔ دیکھیے: ماہ نامہ جہانِ رضا (لاہور)، بابت جون-جولائی ۱۹۹۶ء: ۲۳-۳۵۔

۴ بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء۔

۵ ایضاً: ۲۹-۴۷۔

پیش کیا۔ ستمبر ۲۰۱۷ء میں جناب نورانی سند کے مستحق قرار دیے گئے۔ اب اُن کی کاوش منصۂ شہود پر آئی ہے، اور ۱۲۵ برس قبل اُردو میں لکھا گیا تذکرہ مظہر العلماء اہلِ علم کی دسترس میں آیا ہے۔

جناب نورانی کو تذکرے کا وہ واحد نسخہ ہاتھ آیا، جس کا تعارف پروفیسر محمد ایوب قادری نے پہلی بار ۱۹۶۱ء میں لکھا تھا۔ مظہر العلماء کی زیرِ نظر اشاعت — تذکرۂ علماے ہندوستان — جناب مرتب و محقق کی اضافی تحریروں سے قطع نظر واضح طور پر دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے (صفحات ۸۱-۴۵۳) میں مظہر العلماء کا بنیادی متن مع تکملہ دیا گیا ہے اور دوسرے حصے (صفحات ۴۵۵-۸۳۵) میں محقق نے ''حواشی و تعلیقات'' یک جا کی ہیں۔ ان دو حصوں کے ساتھ مرتب و محقق نے محتویات کی فہرست کے علاوہ جو اضافات کیے ہیں، ان میں اولاً ''ملاحظات'' (صفحات ۴۱-۴۴) کے تحت اپنے طرزِ تدوین پر روشنی ڈالی ہے۔

''ملاحظات'' کے بعد ''پیش لفظ'' (صفحات ۴۵-۵۲) میں جناب نورانی نے شعراء اور علماء کے تذکروں کی ترتیب و تدوین میں اُردو کے محققین کا ذکر کرتے ہوئے مظہر العلماء کی اہمیت واضح کی ہے، اِس کے بعد تذکرۂ علماے ہندوستان کی ابواب بندی کا ذکر کیا ہے، اور کارِ تحقیق میں جن کتب خانوں اور اہلِ علم کا اُنھیں تعاون حاصل رہا، اُن کا ذکر کیا ہے۔ ایک باب اُنھوں نے ''تعارفِ مصنف'' (صفحات ۵۳-۶۲) اور دوسرا ''تعارفِ مخطوطہ'' (صفحات ۶۳-۷۹) مزید اضافی لکھے ہیں۔ خاتمۂ کتاب پر ''وضاحتی اشاریہ'' (صفحات ۸۳۷-۹۲۸) اور ''کتابیات'' (صفحات ۹۲۹-۹۴۴) دی گئی ہے۔

مظہر العلماء کے مؤلف کی کاوش بنیادی متن اور تکملے پر مشتمل ہے۔ متن میں اُن علماء کو شامل کیا گیا ہے جن کے بارے میں مؤلف قابلِ لحاظ اطلاعات رکھتے تھے، یا کم از کم دو تین سطریں لکھ سکتے تھے۔ تکملے میں اُن علماء کو شامل کیا گیا، جن کے بارے میں غالباً جناب مؤلف کو ابتداء میں اُن کے وطن کے علاوہ کوئی معلومات حاصل نہ تھیں، تکمیلِ تذکرہ کے بعد اُنھیں جن علماء کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں، اُنھیں تذکرے کے متن میں منتقل نہ کر سکے، اور تکملے ہی میں اضافہ کر دیا۔

اِس سے پہلے کہ جناب خوشتر نورانی کی تحقیق، تدوین اور تحشیہ نگاری کے بارے میں کچھ لکھا جائے، مناسب دکھائی دیتا ہے کہ انیسویں صدی کے رُبع آخر میں برعظیم کی سطح پر بلاامتیاز و مسلک علماء و مشائخ کی تذکرہ نگاری کے سلسلے میں جو کوششیں کی گئی ہیں، اُن کا مختصر جائزہ لے لیا جائے۔ ضمناً یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مؤلف مظہر العلماء کے مآخذ کیا ہیں۔ (اس پہلو پر جناب خوشتر نورانی نے کچھ نہیں لکھا)۔

انیسویں صدی/ تیرہویں صدی ہجری میں برعظیم کے اہلِ سنت و جماعت میں فقہی تقلید کے حوالے سے اختلاف پیدا ہوا۔ فقہی تقلید کے حامیوں نے جہاں ماضی کی حنفی روایت پر زور دیا، وہیں دوسرے فریق نے رفع یدین، آمین بالجہر اور تکبیراتِ عید وغیرہ کی تعداد کے حوالے سے اختلاف کیا، اور اپنا نقطۂ نظر صرف اتباعِ حدیث تک محدود نہ رکھا، بلکہ امام ابوحنیفہؒ کی ذات اور مبلغ علم و دانش کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ اِس پس منظر

میں حنفی فقہاء کی تذکرہ نگاری کی جانب توجہ دی گئی۔ اِس سلسلے میں ایک اہم پیش رفت مولانا فقیر محمد جہلمی (م ۱۹۱۶ء) کی کاوش حدائق الحنفیہ قابلِ ذکر ہے (تالیف: ۱۲۹۷ھ/۸۰-۱۸۷۹ء)۔ حدائق الحنفیہ ۱۳ ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب (حدیقہ اوّل) امام ابوحنیفہ کی حیات اور فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ باقی ۱۲ ابواب میں صدی وار، بہ ترتیب سالِ وفات، دوسری صدی سے تیرہویں صدی ہجری تک تراجمِ فقہاء یک جا کیے گئے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی نے حدائق الحنفیہ میں فقہاء ہند کے تراجم بھی شامل کر لیے۔ تیرہویں حدیقے (باب) میں ۵۹ فقہا کے تراجم میں سے ۵۵ کا تعلق برعظیم سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں حدائق الحنفیہ کا آخری باب بحیثیت مجموعی برعظیم کے علماء ہی کا تذکرہ ہے۔ حدائق الحنفیہ کو برعظیم کے اُردو دان اہلِ علم میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اور مؤلف مولانا فقیر محمد جہلمی کی زندگی میں تین بار شائع ہوا۔[1]

فقہ وفتویٰ سے آگے بڑھ کر جملہ اسلامی علوم یا ان میں سے کسی ایک میں مہارت رکھنے والے اہلِ علم کے تراجم پر مشتمل تذکرے لکھنے والوں میں سرفہرست نام مولانا ابوالحسنات لکھنوی (م ۱۸۸۶ء) کا ہے۔ انہوں نے انباء الخلان بابناء علماء ہندوستان (عربی) کے نام سے تذکرہ نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ یہ تذکرہ اصلاً اس موضوع پر ان کی تین مستقل بالذات کتابوں کے مجموعے کا نام ہے:[2] ○ خیر العمل بذکرِ تراجم علماء فرنگی محل ○ النصیب الاوفر فی تراجم علماء المائۃ الثالثۃ عشر ○ تیسری کتاب کو اُنھوں نے کوئی نام نہیں دیا، اسے رسالہ اخریٰ فی تراجم السابقین لکھ دیا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی انباء الخلان کے سلسلے میں کیا کام کر چکے تھے، اس کی کم ہی اطلاع تھی[3]۔ مولانا محمد رضا انصاری فرنگی محلی (م ۱۹۹۰ء) نے پہلی بار تینوں کتابوں کے مجموعے انباء الخلان کے بارے میں حقائق واضح کیے۔[4] اُن کی اطلاع کے مطابق پہلی کتاب یعنی خیر العمل فی تراجم علماء فرنگی محل بڑی حد تک مکمل ہو گئی تھی۔ اِس کا تکملہ تا عہد مصنف (مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی) اُن کے ایک عزیز اور شاگرد مولانا عبدالباقی الانصاری (م ۱۹۴۵ء) نے لکھا اور اس کا ایک نسخہ مدینہ منورہ میں ۱۹۶۵ء تک محفوظ تھا۔[5] دوسری کتاب النصیب الاوفر یعنی تیرہویں صدی کے علماء برعظیم کے

---

[1] تیسری بار اکتوبر ۱۹۰۶ء/شعبان ۱۳۲۴ھ میں مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔

[2] عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ، الجزء الاوّل، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۹ء: ۱۳۸۔

[3] تذکرۂ علمائے ہند (مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری) کے ''تعارف'' میں مولانا عبدالرشید نعمانی (م ۱۹۹۹ء) اس کے بارے میں اتنا ہی لکھ سکے تھے: ''افسوس ہے کہ یہ کتاب پوری نہ ہو سکی اور اِس کا کوئی حصہ اب تک شائع نہ ہوا۔'' (حوالہ مذکورہ: ۵۴)۔

[4] محمد رضا انصاری فرنگی محلی، ''تذکرۂ علمائے ہند، ایک عربی (ادھورا) مخطوطہ''، مجلّہ علوم الدین (۷۳-۱۹۷۲ء)، علی گڑھ: فیکلٹی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۳ء: ۳۷-۷۱؛ شمارہ (۸۰-۱۹۷۹ء): ۱۰۳-۱۱۹۔

[5] محمد رضا انصاری فرنگی محلی، مجلّہ علوم الدین (۷۳-۱۹۷۲ء)، حوالہ مذکورہ: ۴۰۔

تذکرے کا بس نام ہی ملتا ہے۔ تیسری کتاب پر مولانا عبدالحی کام کر رہے تھے کہ اُن کی اچانک وفات ہوگئی۔ اِس نامکمل تذکرے کا نسخہ بخطِ مؤلف مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے ذخیرۂ فرنگی محل میں محفوظ ہے، اور اِس کا تعارف مولانا محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے لکھا ہے۔

جن دنوں مولانا عبدالحی لکھنوی انباء الخلان پر کام کر رہے تھے، انھی دنوں (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں) مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۹۱۱ء) بھی اسی طرز کے کام، یعنی تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء (فارسی) کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے،[1] اور جب مولانا عبدالحی نے اُن سے بہار کے علماء کے تراجم کی فراہمی کے لیے رابطہ کیا، تو اُنھوں نے اپنے زیرِ ترتیب تذکرے کے متعلقہ حصے بھجوا دیے۔[2] اِسی طرح بعض دوسرے اہلِ قلم کے ساتھ بھی وہ تعاون فرماتے رہے تھے۔ اُن کے اپنے بقول:

> ایک مولوی صاحب جو داناپور میں رہتے ہیں،[3] اُنھوں نے ایک تذکرۂ علماء ہند لکھنا شروع کیا، اور پندرہ بیس جزء میں کتاب کو تمام کر کے امرتسر وکیل اخبار کے یہاں طبع کے لیے بھیجا، مگر ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے۔
>
> پھر مولوی محمد صاحب شاہ جہاں پوری مرحوم و مغفور نے ایک تذکرہ لکھنا شروع کیا، اور

---

[1] مولانا شمس الحق ڈیانوی نے سیّد عبدالحی رائے بریلوی (م ۱۹۲۳ء) کے نام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ/[۷ مئی ۱۹۰۹ء] کے مکتوب میں لکھا: ''ہم کو جس قدر تذکرہ علماء ہند کے لکھنے کا شوق تھا، و[کذا: وہ] ہے، اس کو بیان نہیں کر سکتے ہیں جس زمانے میں مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے انباء الخلان لکھنا شروع کیا تھا، اُسی زمانے میں ہم نے بھی لکھنا شروع کیا تھا۔''

ایک دوسرے مکتوب (مورخہ ۶ ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ/[۱۸ مارچ ۱۹۱۰ء] میں تذکرۃ النبلاء اور انباء الخلان، ہر دو کا زمانۂ تالیف متعین کر دیا ہے: ''۱۲۹۲ھ/[۱۸۷۵ء] میں ہم کو شوقِ تاریخِ علماء ہند کا پیدا ہوا تھا۔ اسی زمانے میں مولوی عبدالحی صاحب مرحوم بھی انباء الخلان لکھتے تھے۔'' (محمد عزیر، مولانا شمس الحق عظیم آبادی: حیات اور خدمات، کراچی: علمی اکیڈمی، ۱۹۸۴ء: ۹۷ و ۱۰۷)۔

[2] ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ/[۷ مئی ۱۹۰۹ء] کے مکتوب میں مولانا ڈیانوی نے سیّد عبدالحی رائے بریلوی کو لکھا تھا: ''میری تاریخ [تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء] ہنوز ناتمام ہی نہیں، بلکہ اجزاء اِس کے متفرق و غائب ہو گئے۔ اِس کی وجہ یہ ہوئی کہ مولوی عبدالحی صاحب علیہ الرحمہ نے ہم سے تراجم علماء صوبہ بہار وغیرہ طلب کیے، ہم نے بعض اجزاء اُن کے پاس روانہ کر دیے، مگر باوجود چند بار طلب کرنے کے وفات تک اُن کی، میرے اجزاء واپس نہیں آئے، پھر بعد وفات اُن کی، مولوی خادم حسین صاحب نے بمشکل کچھ اجزاء روانہ کیے'' (محمد عزیر، حوالہ مذکورہ: ۹۷-۹۸)۔ اس اقتباس میں جن مولوی خادم حسین صاحب کا ذکر ہے، وہ مطبع انوارِ محمدی، لکھنؤ کے کرتا دھرتا تھے، اور مولانا عبدالحی لکھنوی کی بعض کتابوں کے ناشر تھے۔

[3] مولانا عبدالغفور داناپوری (م ۱۸۶۴ء) کی جانب اشارہ ہے۔

Scanned with CamScanner

قریب دو تین سو تراجم کے، اُنھوں نے جمع بھی کیا، مگر نوبتِ اتمامِ کتاب نہ پہنچی، اور اُنھوں نے وفات کیا۔[1]

مولانا عبدالحی لکھنوی کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد مولوی رحمٰن علی (م ۱۹۰۷ء) نے تذکرۂ علماء ہند لکھنا شروع کیا (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) اور ۰۸-۱۳۰۷ھ/۹۱-۱۸۹۰ میں مکمل کیا۔[2] مولانا شمس الحق ڈیانوی کے علاوہ اُن کے دو اور معاصر اہلِ قلم، مولانا محمد ادریس نگرامی (م ۱۹۱۲ء) اور مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی بھی اِسی انداز کے کام میں مصروف تھے۔ مولوی رحمٰن علی نے اپنے ان دو آخر الذکر معاصرین میں سے کسی کا ترجمہ اپنی کاوش میں شامل نہیں کیا، مگر وہ مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی کی زیرِ تالیف کتاب سے آگاہ ضرور تھے۔[3]

---

[1] مکتوب بنام سیّد عبدالحی رائے بریلوی (محمد عزیز، حوالہ مذکورہ: ۹۸-۹۹)۔
مولانا ابویحییٰ محمد شاہ جہاں پوری (م ۱۹۰۶ء) کی تالیف الارشاد الی سبیل الرشاد (دہلی: مطبع انصاری، ۱۳۱۹ھ/[۰۲-۱۹۰۱ء] چھپی تو اس کے آخر میں اُنھوں نے اپنے زیرِ ترتیب تذکرے کا اشتہار دیا تھا۔ اس کے مطابق اُن کے پیشِ نظر برعظیم اور افغانستان کے اہلِ حدیث علماء کے احوال کی ترتیب و تدوین تھی۔ اُنھوں نے اپنے قارئین سے التماس کیا تھا کہ وہ تلاش و تحقیق کے ساتھ علماء کے حالات رمضان ۱۳۲۱ھ/[نومبر ۱۹۰۳ء] تک بھجوا دیں، ورنہ وہ کتاب میں شامل نہ ہو سکیں گے، اور کتاب کے ضمیمے کی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مولانا شاہ جہاں پوری کی یہ کاوش مطبع کا منہ نہ دیکھ سکی، اور ابویحییٰ امام خان نوشہروی (م ۱۹۶۶ء) کی تلاش و تحقیق کے مطابق اس کا مسودہ بھی تلف ہو گیا۔ (تراجم علمائے حدیثِ ہند، کراچی: مکتبہ اہلِ حدیث ٹرسٹ، س۔ن: ۴۷۹)

[2] محمد ایوب قادری، ''پیش لفظ''، تذکرۂ علمائے ہند (اُردو ترجمہ): ۲۴۔

[3] مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی کے بزرگوں میں سے مولوی محمد ظاہر بن سیّد غلام جیلانی، مولوی رحمٰن علی کے مسکن ریواں میں ریاست کے دیوان کے صاحبزادوں کے اتالیق کی حیثیت سے مقیم تھے، اور مولوی رحمٰن علی اُن کے ہاں آتے جاتے تھے۔ اُن کے ترجمے میں ضمناً بیان کیا گیا ہے: ''حالات شاں مولوی سیّد محمد عبدالحی خلف الصدق مولوی سیّد قمر الدین احمد... در نزہۃ الناظر مشرحاً تحریر فرمودہ۔'' (تذکرۂ علماء ہند، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، طبع دوم، ۱۹۱۴: ۱۹۷)

مولوی رحمٰن علی نے مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی کی ولدیت غلطی سے فخر الدین احمد کے بجائے قمر الدین احمد لکھ دی۔ اِسی طرح کتاب کا نام نزہۃ الخواطر کے بجائے نزہۃ الناظر لکھا ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے جب تذکرۂ علماء ہند کو اُردو میں منتقل کیا تو مولوی رحمٰن علی کی بعض اغلاط، بغیر کسی اظہار و ادعا کے درست کر دیں۔ یہاں بھی تذکرۂ علماء ہند کے ترجمے میں اُنھوں نے سیّد عبدالحی رائے بریلوی کی ولدیت درست کر دی تھی، مگر تذکرۂ علمائے ہند (اُردو ترجمے) کی اشاعتِ ثانی (کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۲۰۰۳ء) میں پروفیسر قادری کی اصلاح ختم کر دی گئی، اور باقاعدہ حاشیے کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا کہ فارسی متن میں ''قمر الدین احمد'' ہے۔ یا للعجب!

تذکرۂ علماے ہند ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں شائع ہوگیا۔[۱] مولانا محمد ادریس نگرامی اپنے تذکرے تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان ملقب بہ تذکرۂ علماے حال کی تالیف سے تذکرۂ علماء ہند کی اشاعت کے کم و بیش ایک سال بعد ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں فارغ ہوئے۔ اُنھوں نے مولوی رحمٰن علی کے ترجمے میں اُن کے تذکرے کا نہ صرف ذکر کیا، بلکہ لکھا ہے کہ یہ اُن کی نظر سے گزرا ہے۔[۲] تذکرۂ علماے حال کی داغ بیل مؤلف نے مولانا سیّد محمد علی مونگیری (م ۱۹۲۷ء) کی تشویق اور متعدد دوسرے اہلِ دانش کی تصویب پر ڈالی تھی۔ مولانا سیّد محمد علی مونگیری کے تحریکِ ندوۃ العلماء سے لگاؤ، نیز مؤلف کے ذاتی اصلاحی ذوق کے تحت اِس میں تحریکِ ندوۃ العلماء کے وابستگان کی نمایندگی زیادہ ہے۔

مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی نے برعظیم میں اسلام کے ورود سے لے کر اپنے دور تک کے رجالِ کار کے احوال یک جا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، کتبِ تاریخ و تذکرہ کی ورق گردانی کے ساتھ اُنھوں نے اُن تمام اہلِ قلم سے تعاون حاصل کیا جن کے بارے میں اُنھیں اشتراکِ ذوق کا علم ہوا۔ ان معاونین میں سرِفہرست تو مولانا شمس الحق ڈیانوی تھے، جن کا اپنا تذکرہ — تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء (فارسی) — بکھر کر رہ گیا، مگر اِس بات کا انکار بھی ممکن نہیں کہ اس کے مندرجات کی جھلک تذکرۂ علماے حال اور نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر میں موجود ہے۔[۳]

---

۱ لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور۔

۲ تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان ملقب بہ تذکرۂ علمائے حال ،لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ۱۸۹۷ء: ۲۶۔ محمد ادریس نگرامی کے بقول اُنھیں ''اکثر علماء کے تراجم میں آپ [مولانا ڈیانوی] سے بڑی مدد ملی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔'' (حوالہ مذکورہ: ۳۱)

۳ مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی کے نام مولانا شمس الحق ڈیانوی کے ایک مکتوب کا کچھ حصہ گزشتہ ایک حاشیے میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اسی میں اُنھوں نے مزید لکھا تھا: ''افسوس کہ میری کتاب پوری کیا ہوگی، اجزاء بھی اس کے منتشر و ضائع ہوئے۔ اب آپ نے اس کا قصد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورا کرے۔ میرے پاس بعض تراجم بطور مسودہ چٹھہ کے موجود ہیں، ان سب کو ہم جمع کر کے بذریعہ پولندہ روانہ کریں گے۔ آپ از راہِ مہربانی دو یک ماہ میں ان مسودات میں سے جس قدر مضمون مناسب معلوم فرمادیں، انتخاب کر لیں، اور پھر مسودہ کو ضرور واپس فرما دیں، اور ہم شاہجہاں پور [مولانا ابو یحییٰ محمد] سے بھی مسودہ سب واپس طلب کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

تقریباً ایک سال بعد ۶ ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ/ [۱۸ مارچ ۱۹۱۰ء] کے مکتوب میں خوش خبری سنائی: ''اجزاء و اوراقِ پریشاں و منتشرہ کو مختلف دفینوں سے تلاش کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے، مگر جس قدر تلاش سے ملا ہے، سب کو روانہ کرتے ہیں۔ جب تک آپ چاہیں، اپنے پاس رکھیں، پھر واپس فرما دیں۔ آپ

(بقیہ اگلے صفحے پر....)

مولانا ڈیانوی نے مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی کے نام اپنے مکاتیب میں مولانا عبدالغفور داناپوری اور مولانا ابویحییٰ محمد شاہ جہاں پوری کے علاوہ خانوادہ فرنگی محل کے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (م ۱۹۰۰ء) کے بارے میں بھی اطلاع دی کہ وہ بھی: ''ایک تاریخ جمع کرتے تھے۔ اس کے اجزاء اُن کے ورثاء سے حاصل فرمائیے۔[۱]''

تذکرہ ہاے علماء ہند کے حوالے سے چند اور کاوشوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے[۲] مگر ہمیں زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں۔ انیسویں صدی کی اِن کاوشوں میں غالباً آخری کاوش مولانا سیّد محمد حسین سید پوری بدایونی کا تذکرہ مظہر العلماء ہے۔

مؤلف مظہر العلماء کے حینِ حیات علماء ہندوستان کے عمومی تذکروں میں سے تذکرۂ علماے ہند (مولفہ مولوی رحمٰن علی) اور تذکرہ علمائے حال شائع ہو گئے تھے، اِسی طرح حدائق الحنفیہ (فقیر محمد جہلمی) کے ''حدیقہ سیز دہم'' میں شامل تراجم فقہاے ہند اُن کے سامنے تھے۔ مؤلف مظہر العلماء نے ان مآخذ سے

(... گذشتہ سے پیوستہ)

ہر ہر پرچہ کو بغور من اولہ الی آخرہ ملاحظہ فرماویں گے، ان شاء اللہ بہت سے مفید معلومات اِس میں سے برآمد ہوں گے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ/[۷ مئی ۱۹۱۰ء] کے مکتوب میں مرسلہ لوازمے پر گفتگو کرتے ہوئے مزید اطلاع دی: ''کچھ اوراق تراجم کے اور بھی ملے ہیں، اُن کو بھی روانہ کریں گے۔'' (ان مکتوبات اور ان پر حواشی کے لیے دیکھیے: محمد عزیر، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، حوالہ مذکورہ: ۹۶-۱۱۳)

آخری مکتوب کے تقریباً ایک برس بعد ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ/۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو مولانا شمس الحق ڈیانوی کا انتقال ہو گیا، اور اُن کے تذکرے کے منتشر اوراق کا کیا بنا؟ کیا وہ مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی کے کاغذات میں کہیں محفوظ ہیں یا نہیں؟ یا مولانا ڈیانوی کے لواحقین کو بھجوا دیے گئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱ مکتوب مولانا ڈیانوی (مورخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ)، محمد عزیر، حوالہ مذکورہ: ۱۰۰-۱۰۱۔ مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی نے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے احوال میں اِس جانب کوئی اشارہ نہیں کیا۔

۲ مولانا سیّد ابوالخیر مودودی (م ۱۹۷۹ء) نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن سہارن پوری (م ۱۹۱۸ء) نے ایک تذکرہ البحر الذخار فی تراجم العلماء والاخیار چار جلدوں میں مرتب کیا تھا، مگر یہ چھپ نہیں سکا، شاید ضائع ہو گیا ہو۔ (ماہ نامہ آتش فشاں، لاہور، نومبر ۱۹۷۹ء: ۹)

مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء) کے نام ایک مکتوب (بلا تاریخ) میں اُنھیں لکھا ہے: ''جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ ملیح آباد کے کسی صاحب نے تراجم علماء میں کوئی کتاب لکھی ہے اور جناب کی خدمت میں تقریظ کے واسطے بھیجی ہے۔ اُن کا نام اور پتا یاد ہو تو عنایت فرمایے۔ آیا وہ کتاب چھپ گئی یا نہیں۔'' (ماہ نامہ نقوش (لاہور)، بابت اپریل-مئی ۱۹۶۸ء، خطوط نمبر ۲: ۲۱۳۔

بھرپور اخذ و اقتباس کیا ہے۔[1]

مؤلف مظہر العلماء نے جن دوسرے اہلِ علم کے تراجم میں ان کے تعاون کا ذکر کیا ہے، ان میں مولانا عبدالمقتدر عثمانی بدایونی (م ۱۹۱۵ء)، وکیل احمد سکندر پوری (۱۹۰۴ء)، محمد یٰسین پنجابی (م ۱۸۹۶ء) اور مولوی شمس الدین (سیکرٹری انجمن حمایت اسلام، لاہور) شامل ہیں۔[2]

مظہر العلماء کے بنیادی متن میں ۶۷۷ علماء کے تراجم شامل کیے گئے ہیں، اور تکملے میں ۱۳۶۳ افراد کے نام درج ہیں۔[3] ان میں سے بعض کے بارے میں کچھ اطلاعات بھی فراہم کی گئی ہیں۔

مظہر العلماء ہو، یا اِس کے علاوہ متذکرہ الصدر تذکرہ ہائے علماء، ان میں علماء کے آباء و اجداد، تعلیم، اساتذہ، اُن کی تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ تدریسی خدمات کے سلسلے میں مدارس کا گاہے گاہے تعین کر دیا گیا ہے، مگر کتابوں اور رسائل کے سلسلے میں صرف نام لکھنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

---

[1] تذکرۂ علمائے ہند سے استفادے کے سلسلے میں مولوی رحمٰن علی کے ترجمے میں اُن کے الفاظ میں: ''آپ کی کتاب تذکرۂ علمائے ہند سے راقم کو بہت مدد ملی۔'' (تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۱۶۵)۔ مولانا محمد ادریس نگرامی کے ترجمے میں لکھا ہے: ''... بریلی جلسۂ ندوۃ العلماء میں نیاز [کذا: نیاز مند] نے جناب سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ میرے مُعین اِس تحریر میں ہوئے'' (تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۳۳۰)

حدائق الحنفیہ کے مؤلف فقیر محمد جہلمی بھی اُس وقت حیات تھے، اور اُن کی کاوش، مولوی رحمٰن علی کے مآخذ و مصادر میں شامل تھی اور رحمٰن علی نے حدائق الحنفیہ کے آخری باب (باب سیزدہم) میں شامل ۵۵ ہندنژاد فقہاء میں سے ۴۸ کے ترجمے تذکرۂ علمائے ہند میں شامل کر لیے تھے، اور اِن میں سے اکثر مظہر العلماء کا بھی حصہ ہیں۔ اِس حقیقت کے باوجود مؤلف مظہر العلماء کے لیے یہ آسان تر تھا کہ وہ تذکرۂ علمائے ہند کے فارسی متن کو اُردو میں منتقل کرنے کی جگہ براہِ راست اُردو حدائق الحنفیہ سے نقل کر لیں، مگر اُنہوں نے اِس بات کا اظہار نہیں کیا کہ حدائق الحنفیہ اُن کا ماٰخذ ہے، ان تینوں تذکروں کو باہم ملا کر دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ حدائق الحنفیہ، مؤلف مظہر العلماء کے سامنے رہا ہے۔ مظہر العلماء میں اُن افراد کا ترجمہ بھی موجود ہے، جو حدائق الحنفیہ کے توسط سے تذکرۂ علمائے ہند میں کسی سبب شامل نہیں ہو سکے۔

[2] تذکرۂ علمائے ہندوستان: بالترتیب ۲۶۵، ۳۹۹، ۴۰۷، ۴۳۳۔

[3] یہ اعداد و شمار جناب مرتب و مدون کے فراہم کردہ ہیں۔ دیکھیے: تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۴۹۔ اگر تکملے کو بامعانِ نظر دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ بعض ایسے علماء کے نام بھی اِس میں درج ہیں جن کا ترجمہ جناب مؤلف تذکرے کے بنیادی متن میں لکھ چکے تھے۔ بشیر الدین میرٹھی، مولانا سعد اللہ (بھڑوچ)، حکیم سیّد ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا عبدالجمیل دہلوی، عبدالعزیز لکھنوی، مولوی غلام احمد (مدرس مدرسہ نعمانیہ، لاہور) ان میں شامل ہیں۔

Scanned with CamScanner

تذکرہ ہاے علماء میں مذکور کتابوں کے عنوانات سے جہاں قاری کو خوشی ہوتی ہے کہ اس کے اجداد نے اِن اِن موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے، مگر برسوں کی تلاش اور جستجو کے بعد بھی ان کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا، اور اگر مل جائے تو اکثر ان کی ورق گردانی کر کے مایوسی ہوتی ہے۔ آج کے عالمِ اسلام اور غیر مسلم دُنیا کے علمی مراکز میں موجود خطی ذخائر کی فہرستیں شائع ہو چکی ہیں، اِسی طرح عربی، فارسی اور اُردو مطبوعات کی چند فہرستیں سامنے آ چکی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اسلاف کے قلمی سرمائے کے بارے میں کتبِ تذکرہ میں بھی نسبتاً مفصّل اطلاعات فراہم کی جائیں۔

مؤلف مظہر العلماء نے جن مآخذ سے اہلِ علم کی کتابوں کے نام نقل کیے ہیں وہ بوجوہ کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں۔ صدی ڈیڑھ صدی پہلے کی لیتھو پر چھپی ہوئی کتابوں میں اکثر اغلاط در آتی تھیں، الفاظ اُڑ جاتے تھے، غیر محتاط کاتب الفاظ پر نقطے لگانے میں احتیاط نہ کرتے تھے، اور کتاب کا درست نام قاری تک منتقل نہ ہوتا تھا، اور جب کسی متأخر مصنف نے نقل کیا تو اس کے ہاں بھی اغلاط در آتی تھیں۔ مظہر العلماء کے صفحات پر اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، مگر اِس صورتِ حال کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

مظہر العلماء کے واحد نسخے کی قراءت، تحقیق، تدوین اور حواشی کی ذمہ داری جناب خوشتر نورانی نے بقولِ خود ''دو برس کی شبانہ روز جدوجہد اور اَن تھک کوششوں'' سے پوری کی۔[1] برعظیم کے علماء کرام کے تذکروں اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کی جانب سے وہ ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔ اُن کی توجہ سے تذکرہ نگاری کے حوالے سے کچھ ہلچل پیدا ہوئی ہے، اور شاید یہ ہلچل مزید خوب تر کاوشوں کا سبب بن جائے!

کسی قدیم متن کی تحقیق و تدوین میں پہلا مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ متن کامل صورت میں سامنے آئے۔ جناب خوشتر نورانی نے جس نسخے کو بنیاد بنا کر متن مرتب کیا ہے، وہ تو ہمارے سامنے نہیں، مگر اُس نسخے سے محمد ایوب قادری نے ۶۱ علماء کے تراجم مرتب کیے تھے۔ اُنھوں نے جن ۶۱ علماء کے تراجم اخذ کیے تھے، اُن میں سے اِن سات حضرات — حکیم الٰہی بخش، امام بخش، سعید اللہ قادری، عبدالرب دہلوی، عبدالمجید قادری، حکیم عظیم اللہ قادری، علی اکبر بریلوی — کے تراجم زیرِ نظر تذکرۂ علماے ہندوستان میں منتقل نہیں ہو سکے۔[2]

جہاں اس بات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ متن مکمل ہو، وہیں حتی الوسع یہ کوشش بھی پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ مولف/مصنف کی عبارت کی قراءت درست ہو، اگر زبان و بیان میں اصلاح و ترمیم کی گئی ہے تو اس کی وضاحت کر دی جائے۔ جہاں تک تذکرۂ علماے ہندوستان کے مبنیٰ کا تعلق ہے، یہ مناسب نستعلیق میں لکھا گیا ہے، اور اسے بآسانی پڑھا جا سکتا ہے۔[3]

---

۱ تذکرۂ علماے ہندوستان: ۴۸۔

۲ دیکھیے: محمد ایوب قادری، ''مظہر العلماء: تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کے ۶۱ علماء''، العلم (کراچی)، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۱ء: ۳۳-۵۲ اور متن تذکرۂ علماے ہندوستان۔

۳ مظہر العلماء کے خطی نسخے کے سرورق اور دو صفحات کے لیے دیکھیے: تذکرۂ علماے ہندوستان: ۴-۶۔

جناب خوشتر نورانی نے متن مرتب کرتے ہوئے جو باتیں پیشِ نظر رکھی ہیں، اُن کی فراہم کردہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے:

- جناب مدون و مرتب نے متن میں جہاں کوئی اضافہ کیا ہے، اسے [ ] کے اندر درج کیا ہے۔
- مصنف نے جہاں جملہ معترضہ لکھا ہے، اُسے ( ) میں درج کیا گیا ہے، تحریر مصنف ہی کی ہے، صرف قوسین کا اضافہ مدوّن و مرتب کی جانب سے ہے۔
- رموزِ اوقاف کاتبِ نسخہ نے سرے سے استعمال نہیں کیے۔ جناب مدون و مرتب نے جدید اندازِ تحریر کے مطابق ان کا استعمال کیا ہے۔
- کاتبِ نسخہ نے جہاں دو الفاظ ملا کر لکھے تھے، انھیں الگ الگ لکھ دیا گیا ہے۔ اِسی طرح بعض الفاظ کے اِملا کو دورِ حاضر کے رواج کے مطابق بدل دیا گیا ہے۔
- جناب مصنف مظہر العلماء ''فرنگی محل'' کو ''فرہنگی محل'' سمجھتے تھے، اور اُنھوں نے فرنگی محلی اہلِ علم کے لیے صفتِ نسبتی ہر جگہ ''فرہنگی محلی'' استعمال کی تھی جو بداہتاً غلط تھی۔ جناب مدوّن و مرتب نے فرنگی محل اور فرنگی محلی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

جناب خوشتر نورانی نے ترتیب و تدوین کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، کیا یہ واقعی درست ہے؟ تذکرۂ علماے ہندوستان میں اِس کے مبنیٰ خطی نسخے کے جن دو صفحات کے عکس دیے گئے ہیں، ان میں سے ایک میں محمد عابد سندھی کے ترجمے کا کچھ حصہ نقل ہوا ہے۔ عکس (صفحہ ۵) میں دی گئی عبارتِ متن اور جناب خوشتر نورانی کی فراہم کردہ قراءت پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا:

عکس (صفحہ ۵)

سے افاضہ و استفادہ کیا۔ وہاں سے صنعا یمن میں داخل ہوئے، اور وزیر کی بیٹی سے نکاح کیا۔ ایک دفعہ صنعا یمن کے امام کی جانب سے سفیر ہو کر مصر کو تشریف لے گئے اور پھر وطن کی جانب معاودت فرمائی۔ کئی روز قصبہ نواری میں مقیم رہے، پھر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے کہ وہاں مصر کے والی کی جانب سے رئیس العلماء ہوئے۔ آپ نے یوں تو بہت ہی کتابیں مبسوط و مطول لکھیں، چند اسماء درج کیے جاتے ہیں۔

نمبرا کتاب مواہب اللطیفہ علی مسند امام ابوحنیفہ
نمبر۲ طوالع الانوار علی الدر المختار نمبر۳ کتاب شرح

قراءت (صفحہ ۲۰۴)

سے استفادہ و استفاضہ کیا۔ یہاں تک فضل و کمال میں بڑھے کہ آپ کا شمار وہاں کے کاملین میں ہوا، پھر آپ صنعا (یمن) میں داخل ہوئے اور وہاں وزیر کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ یہاں من جانب ریاست، سفیرِ مصر مقرر ہوئے۔ مصر سے ہی وطن مالوفہ کی سمت معاودت کی، کئی دن قصبہ نواڑی [سندھ] میں مقیم رہے۔ وہاں سے پھر مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ وہاں والی مصر کی جانب سے ریاست و امارتِ علماء [سپرد] ہوئی۔ اگرچہ [آپ نے] بہت کتب مبسوط و مطول تحریر فرمائی ہیں، مگر من جملہ اُن چند کتب کے اسماء یہاں لکھے جاتے ہیں: مواہب

تیسیر الوصول الی احادیث الرسول نمبر ۴، بلوغ المرام۔
۱۲۵۷ ہجری میں وفات پائی۔

اللطیفہ علی مسند الامام ابوحنیفہ ، طوالع الانوار علی الدرالمختار، شرح تیسیر الاصول الی احادیث الرسول، بلوغ المرام۔ [بروز شنبہ، ۱۷ ربیع الاوّل] ۱۲۵۷ھ [۹ مئی ۱۸۴۱ء] میں وفات پائی۔ سالِ وفات کا مادہ یہ ہے: فاضل برگزیدۂ زمان

خطی نسخے سے نقل کردہ متن اور جناب مدوّن و مرتب کی فراہم کردہ قراءتِ متن کو ایک تحریر نہیں کہا جا سکتا۔ جناب مرتب و مدوّن نے پوری تحریر از سرِ نو لکھی ہے، اور اِس میں اضافے کیے ہیں۔ اِس صورتِ حال میں اُنھوں نے جو کچھ تدوینِ متن کے حوالے سے لکھا ہے (اور اِس کے چند نکات ہم نے بھی اوپر نقل کیے ہیں) بالکل غیر ضروری تھا۔ اُن کے لیے بس دو تین جملوں میں یہ لکھ دینا ہی کافی تھا کہ مدون و مرتب نے مؤلفِ متن کی تحریر از سرِ نو لکھی ہے اور حسبِ ضرورت اِس میں اضافے کیے ہیں۔

جناب مؤلف نے محمد عابد سندھی کی کتابوں میں سے ایک شرح تیسیر الوصول الی احادیث الرسول کا ذکر کیا ہے، مگر جناب مرتب عنوان کتاب درست طور پر نہیں پڑھ سکے (ممکن ہے اِس میں کمپوزر کی کچھ غلطی ہو)۔

ذیل میں اوّلاً اُن اغلاط کی نشان دہی کی جاتی ہے جن کی ذمہ داری بنیادی طور پر جناب مولف مظہر العلماء پر ہے، مگر جناب مرتب و مدوّن ان کی جانب کوئی توجہ نہ دے سکے۔ بعد میں جناب مرتب و مدوّن کی تعلیقات و حواشی کے حوالے سے کچھ گزارشات پیش کی جائیں گی۔

○ اندراج-۲ مولانا سیّد آل حسن قنوجی کے زیرِ عنوان درج کیا گیا ہے۔ اُن کے صاحبزادے نواب سیّد صدیق حسن خان قنوجی کے ترجمے میں بھی والد کا نام سیّد آل حسن قنوجی لکھا گیا ہے۔[1] یہ غلطی تذکرۂ علماے ہند کے اندراجات سے مؤلف مظہر العلماء کے ہاں آئی ہے[2]۔ نواب سیّد صدیق حسن خاں نے اپنے والد ماجد کا نام سیّد اولاد حسن قنوجی درج کیا ہے، اور یہی نام نواب سیّد صدیق حسن خان کی سوانح عمری میں ملتا ہے[3]۔

---

[1] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۱۹۳۔

[2] دیکھیے: رحمٰن علی، تذکرۂ علماے ہند، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، بارِ دوم، ۱۹۱۴: ۲۴ و ۹۴۔

[3] دیکھیے: سیّد صدیق حسن خان، ابقاء المنن بالقاء المحن، خودنوشت سوانح حیات نواب سیّد محمد صدیق حسن خان، لاہور: دارالدعوۃ السلفیہ، ۱۹۸۶ء: ۲۹؛ سیّد علی حسن خان، مآثر صدیقی موسوم بہ سیرتِ والا جاہی، حصہ اوّل، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ۱۹۲۴ء: ۵۳۔

مولانا سیّد اولاد حسن کا سالِ ولادت ۱۲۱۰ھ لکھا گیا ہے[1]، جب کہ مآثر صدیقی میں ۱۲۰۰ھ بتایا گیا ہے[2]۔

• اندراج-۱۴ ''مولانا محمد ابراہیم آروی'' کے نام سے ہے۔ مولانا آروی کا نام ابراہیم اور کنیت ابو محمد ہے۔ اُن کی تالیفات تفسیر خلیلی[3] اور طریق النجاۃ[4] پر اُن کا نام ابو محمد ابراہیم آروی درج ہے، اور ترجمہ نگاروں نے بھی اُن کا ذکرِ خیر اسی نام اور کنیت کے ساتھ کیا ہے۔[5]

• اندراج-۴۵ مولانا [محمد سعید] اسلمی مدراسی کے بارے میں ہے۔ لکھا گیا ہے: ''ملک العلماء سے ہوئے ہیں۔ ملک العلماء مدراس سے ہی تحصیل و تکمیلِ علوم کی... سفینۃ النجاۃ عمدہ یادگار سے ہے[6]۔

اِس نہایت مجمل بیان سے اُن کے استاد ملک العلماء مدراس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ (تعلیقات میں بھی ملک العلماء مدراس کا ذکر مجمل ہی رہا ہے)۔ مولانا محمد سعید اسلمی مدراسی، مولانا عبدالعلی محمد بحرالعلوم (م ۱۸۱۰ء) کے شاگرد تھے اور ملک العلماء اُن کا خطاب تھا۔ جیسا کہ مولانا بحرالعلوم کے بارے میں اندراج سے واضح ہے۔ مولانا اسلمی نے تحفہ اثناعشریہ کے عربی ترجمے (الترجمۃ العبقریہ والصولۃ الفریدیہ) کے دیباچے میں اپنے استاد کے حضور زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

• اندراج-۵۸ میں مولانا الطاف حسین حالی کی تالیفات میں سوانح طالب کا ذکر کیا گیا ہے[7]۔ واللہ اعلم اِس سے کیا مراد ہے، شاید یادگارِ غالب سہوِ کتابت سے سوانح طالب بن گیا۔

• اندراج-۶۹ بابت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی معلومات تذکرۂ علماے حال پر مبنی ہیں، مگر اُن کے تین خلفاء کے نام درست طور پر منتقل نہیں کیے جا سکے۔ مولوی محمد حسن پانی پتی، خاطر میسوری اور مولوی احمد حسن بٹالوی بالترتیب محمد احسن پانی پتی، فاطر میسوری اور مولوی احمد حسن ڈسکوی پٹیالوی بن گئے ہیں[8]۔

• اندراج-۱۳۶ مولانا خرم علی بلہوری سے متعلق ہے۔ اُن کی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں الدرالمختار کے اُردو ترجمے کے بارے میں لکھا گیا ہے:

---

[1] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۸۳۔
[2] سیّد علی حسن خاں، مآثر صدیقی، حوالہ مذکورہ: ۵۳۔
[3] تفسیر خلیلی (پارہ الم)، بانکی پور: پنچ پریس، ۱۳۱۷ھ۔
[4] طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ۔
[5] محمد ادریس نگرامی، تذکرہ علماے حال، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ۱۸۹۷: ۸-۹؛ خالد حنیف صدیقی، تراجم علماے اہلِ حدیث، دہلی: مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ہند، ۲۰۰۸ء: ۳۱۔
[6] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۱۰۷۔
[7] ایضاً: ۱۱۲۔
[8] تذکرۂ علماے حال، حوالہ مذکورہ: ۱۶-۱۷ اور تذکرۂ علماے ہندوستان: ۱۱۷۔

Scanned with CamScanner

۱۲۵۸ھ [۱۸۴۲ء] میں... کتاب درالمختار شرح تنویر الابصار کا کتاب النکاح سے اُردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ ۱۲۷۰ھ [۱۸۵۴ء] تک کتاب مذکور تمام کی۔ شروع محرم ۱۲۷۱ھ [۱۸۵۴ء] سے کتاب الحج کی تکمیل شروع کی۔ شروع کتاب سے باب الاذان تک لکھا ہی تھا کہ قضا و قدر نے دفترِ عمر تمام کیا۔ کتاب کے ناتمام دفتر کو حضرت مولانا محمد احسن نانوتوی (مترجم کتب عربیہ دینیات) نے حق ترجمہ، صاحب ترجمہ کے ورثاء سے خرید فرما کر اُس کو تمام کیا اور تاریخی نام اُس کا غایۃ الاوطار (۱۲۶۴ھ) رکھا[۱]۔

۱۲۵۸ھ میں جس ترجمے کا آغاز ہوا، ۱۲۷۱ھ میں پہلے مترجم مولانا لاہوری کا انتقال ہو گیا، اور اس کے ایک عرصہ بعد ترجمے کی تکمیل مولانا محمد احسن نانوتوی نے کی تو کتاب کا تاریخی نام ۱۲۶۴ھ کے مطابق کیسے ہو گیا؟ وضاحت کی ضرورت تھی۔ جناب خوشتر نورانی کی تعلیقات سے بھی اِس اُلجھن کا حل سامنے نہیں آتا، بلکہ وہ اس جانب توجہ ہی نہیں دے سکے۔

- اندراج-۱۷۶ مولانا محمد زمان شاہ جہاں پوری کے ترجمے پر مشتمل ہے جو تذکرۂ علمائے ہند کی اطلاعات پر مبنی ہے۔ مولوی رحمان علی نے لکھا ہے: ''بر جنازہ آں مبرور انبوی کثیر از مسلمانان وجمِ غفیر از دین داران گرد آمدند کہ چہاردہ جماعتِ متفرق نمازِ جنازہ ادا کردہ[۲]''۔ ''چہاردہ جماعتِ متفرق نمازِ جنازہ ادا کردہ'' سے صاحب مظہر العلماء یہ سمجھے ہیں: ''چودہ صفیں ہوئیں [اور] جماعتِ کثیر نے نمازِ جنازہ ادا کی[۳]''۔
- اندراج-۱۹۷ مولانا سیّد علی لاہوری سے متعلق ہے۔ لکھا گیا ہے: ''آپ کے والد ماجد مولانا ابوالقاسم قمی نے تفسیر مشہور و معروف موسومہ لوامع التنزیل اِس فرقے کے علمائے کرام میں مقبول و شرف، منظوری کا رکھتی ہے[۴]''

جناب خوشتر نورانی صاحب، مولانا سیّد علی الحائری لاہوری کی شخصیت متعین نہیں کر سکے، اِس لیے متن کی تصحیح کر سکے، اور نہ کوئی حاشیہ ہی لکھ سکے، حالانکہ اُن کے مصادر میں سے تذکرۂ بے بہا اور تذکرہ علمائے پنجاب میں اُن کا ذکرِ خیر سیّد علی الحائری کے تحت کیا گیا ہے[۵]۔ تفسیر لوامع التنزیل کی ابتدائی بارہ جلدیں تو مولانا سیّد ابوالقاسم قمی کی تالیف ہیں، اُن کی رحلت کے بعد اس کی جلد ۱۳ سے جلد ۲۷ تک مولانا سیّد علی الحائری کی تالیف ہیں۔ ایک جلد ایک پارے کی تفسیر پر مشتمل ہے، ۲۷ویں جلد، ۲۷ویں پارے کے

۱ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۱۵۵۔
۲ مولوی رحمٰن علی، تذکرۂ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ: ۱۸۹۔
۳ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۱۷۵۔
۴ ایضاً، ۱۸۴۔
۵ سیّد محمد حسین نوگانوی، تذکرۂ بے بہا، دہلی: مجید برقی پریس، ۱۹۳۵ء: ۲۹۲؛ اختر راہی، تذکرۂ علمائے پنجاب، جلد اوّل، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۰ء: ۳۹۰-۳۹۱۔

Scanned with CamScanner

ایک رُبع تک لکھی جا سکی تھی کہ مولانا سیّد علی الحائری کا وقتِ آخر آ گیا۔

• اندراج-۲۴۳ بابت مولانا عبدالجبار امرتسری تذکرہ علماے حال سے منقول ہے[۱] لکھا گیا ہے: ''علومِ عربیہ اپنے بھائی مولوی محمد مرحوم اور مولوی سیّد احمد صاحب مرحوم سے حاصل کیے[۲]'' مولوی محمد اور مولوی سیّد احمد دونوں مولانا عبدالجبار امرتسری کے برادرانِ گرامی تھے، کیا ہی بہتر ہوتا ہے کہ الفاظ ''اپنے بھائی'' کی جگہ ''اپنے بھائیوں'' ہو جاتا!

• اندراج-۳۱۳ مولانا عبدالغفور رمضان پوری کے بارے میں ہے۔ اس کا ماخذ تذکرہ علماے حال ہے[۳]۔ مؤلفِ مظہر العلماء کی روایت ہے: ''مولانا عبدالحی لکھنوی سے آخری درس کی تکمیل کی[۴]'' جب کہ اصل ماخذ میں یہ ہے: ''مولانا عبدالحی لکھنوی سے آخری کتابوں کی تکمیل کی۔'' اسی طرح اُن کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام عمدۃ المقاصد درج کیا گیا ہے[۵]، جب کہ اصل ماخذ میں زبدۃ المقاصد ہے[۶]۔

• اندراج-۵۲۸ مولانا محمد باقر آگاہ مدراسی کے بارے میں ہے۔ اُن کے استاذِ گرامی کا نام سیّد ابوالحسن قرنی لکھا گیا ہے اور یہی نام اشاریے میں منتقل ہوا ہے۔ درست نام سیّد ابوالحسن قُربی ہے، اسی طرح اُن کی ایک تالیف کا نام تنویر البصیر لکھا گیا ہے[۸]، درست عنوان تنویر البصیرۃ والبصر فی الصلوٰۃ علی النبی بذکر السیر (عربی) ہے۔

• اندراج-۵۷۵ بابت مولانا محمد قاسم نانوتوی میں مندرج ہے: ''اوّل آپ گورنمنٹ کالج دہلی میں عربی مدرس ہوئے[۹]'' غالباً اِس اطلاع کا ماخذ تذکرۂ علماے ہند کے یہ الفاظ ہیں: ''بعد فراغ از تحصیلِ علوم چندی بمدرسہ انگریزی واقع دہلی تعلق گرفتہ[۱۰]''

''گورنمنٹ کالج دہلی'' یا ''مدرسہ انگریزی واقع دہلی'' سے دہلی کالج مراد نہیں ہے۔ دہلی کالج کی تاریخ سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی بطور مدرس اِس سے وابستہ رہے تھے، البتہ

---

۱ محمد ادریس نگرامی، تذکرۂ علماے حال، حوالۂ مذکورہ: ۳۶۔
۲ تذکرۂ علماے ہندوستان: ۲۰۹۔
۳ محمد ادریس نگرامی، تذکرۂ علماے حال، حوالۂ مذکورہ: ۴۹۔
۴ تذکرۂ علماے ہندوستان: ۲۴۵۔
۵ ایضاً۔
۶ تذکرۂ علماے حال، حوالۂ مذکورہ: ۴۹۔
۷ تذکرۂ علماے ہندوستان: ۳۳۶۔
۸ ایضاً: ۳۳۷۔
۹ ایضاً: ۳۵۷۔
۱۰ رحمان علی، تذکرۂ علماے ہند، حوالۂ مذکورہ: ۲۱۰۔

Scanned with CamScanner

مولوی محمد یعقوب نانوتوی کی تالیف سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی سے مدرسہ دارالبقاء سے اُن کی وابستگی کا ہلکا سا اشارہ ملتا ہے[۱]۔

• اندراج-۶۲۴ میں مولوی نجف علی جھجھروی کا خطاب ''تاج العلماء'' کی جگہ ''سرتاج العلماء'' درج کیا گیا ہے، نیز مولوی نجف علی کی شرح قصیدہ بانت سعاد کا نام کافل الاسعاد کی جگہ کافل الاسود درج کیا گیا ہے[۲]۔

• مولوی نور الدین بھیروی (اندراج-۶۴۹) کو مرزا غلام احمد قادیانی کا شاگرد قرار دیا گیا ہے[۳]، وہ مرزا صاحب کے پیروکار تھے اور جانشین بھی ہوئے، مگر وہ مرزا صاحب کے شاگرد نہیں تھے[۴]۔

• اندراج-۶۵۵، مولانا وحید الزمان حیدر آبادی کو ''مقلد و موید حنفی المذہب'' قرار دیا گیا ہے[۵]۔ اور ساتھ ہی اُن کے تراجم کتبِ حدیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن کا جھکاؤ اہلِ حدیث مکتبِ فکر کی جانب ہو گیا تھا، مولانا نواب سیّد صدیق حسن خان اُن کی مالی سرپرستی کرتے تھے، تاہم بعض معاملات میں اُن کی رائے اہلِ حدیث حضرات سے بھی مختلف تھی[۶]۔

تذکرہ مظہر العلماء کے متن پر گفتگو کے بعد اب، جناب خوشتر نورانی کے حواشی و تعلیقات کے حوالے سے، پہلے حقائق کی بنیاد پر تسامحات کی نشان دہی کی جائے گی، بعد ازاں اُن کے زاویۂ نظر اور تذکرہ نگاری کے تقاضوں پر چند گزارشات پیش کی جائیں گی۔

• مولانا آلِ حسن [کذا: اولادِ حسن] کے تعلیقے (اندراج-۲) میں جن اضافی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے[۷]، ان میں سے ایک رسالہ در معنی توحید، متنِ مظہر العلماء میں رسالہ در معنی کلمۂ طیبہ کے طور پر مذکور ہے[۸]۔

---

۱ محمد یعقوب نانوتوی، سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی، لاہور: مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۱۹۷۵:۶۔

۲ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۳۷۸۔

۳ ایضاً: ۳۹۴۔

۴ مولوی نور الدین بھیروی کے مفصل حالات کے لیے دیکھیے: اکبر شاہ خان نجیب آبادی، نور الیقین فی حیاۃ نور الدین، ربوہ: الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ، ۱۹۶۲؛ عبدالقادر (سوداگر مل)، حیاتِ نور، لاہور: پنجاب پریس، طبع اوّل، [۱۹۶۴ء]

۵ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۳۹۷۔

۶ تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالحلیم چشتی، حیاتِ وحید الزمان، کراچی: نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت، ۱۹۵۷ء

۷ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۴۵۸۔

۸ ایضاً: ۸۴۔

Scanned with CamScanner

• اندراج-۲۵ کا تعلیقہ مولانا سیّد احمد حسن قنوجی برادر نواب سیّد صدیق حسن خان کے بارے میں ہے۔ اس میں لکھا گیا ہے: ''مآثر صدیقی میں اُن کے چھوٹے بھائی نے ذکر کیا ہے کہ اُن کو عمل بالحدیث (ترکِ تقلید) سے خاص شغف تھا...[۱]''

مآثر صدیقی کے مؤلف سیّد علی حسن خان کو مولانا سیّد احمد حسن کا چھوٹا بھائی قرار دینا خلافِ حقیقت ہے، سیّد علی حسن خان، اُن کے بھتیجے تھے۔

• اندراج-۱۳ بابت مولانا شاہ ابوسعید مجددّی میں اربع انہار کو اُن کی تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے[۲]۔ اوّلاً کتاب کا درست نام انہارِ اربعہ ہے، ثانیاً یہ شاہ ابوسعید مجددّی کے صاحبزادے احمد سعید مجددّی کی کاوش ہے، اور اس کا ذکر بجا طور پر احمد سعید مجددّی کی تالیفات میں کیا گیا ہے[۳]۔

شاہ ابوسعید مجددّی کی ایک اور تالیف رفیق الطالب کا ذکر کیا گیا ہے[۴]، جب کہ درست عنوان رفیق الطلاب ہے۔

• اندراج-۳۰ شاہ احمد سعید مجددّی کے بارے میں ہے، مگر سہو قلم سے پہلی سطر میں مولانا احمد سعید مجددّی کی جگہ اُن کے والد گرامی شاہ ابوسعید مجددّی کا نام درج ہو گیا ہے[۵]۔

• قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے متعلق تعلیقے (اندراج-۹۳) میں مقامات مظہری (مرتبہ و مترجمہ محمد اقبال مجددّی) کے حوالے سے یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ ''مولانا ابوالحسن زید فاروقی (خانقاہ مظہریہ، دہلی) کو پانی پت میں قاضی صاحب کے دولت کدے سے اُن کی تصانیف کے ۳۲ خطی نسخے دستیاب ہوئے۔ یہ تمام مخطوطات خانقاہ مظہریہ، دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں[۶]۔''

یہ اطلاع ایک حد تک مفید ہے، مگر اِس کی افادیت میں کہیں زیادہ اضافہ ہو جاتا، اگر یہ بتا دیا جاتا کہ یہ ۳۲ خطی نسخے قاضی صاحب کی معروف تصنیفات کے ہیں، یا اِن میں کوئی غیر مطبوعہ نسخہ بھی ہے؟ اگر نسخے، مطبوعہ کتابوں کے ہیں تو کیا نو دریافت نسخوں میں کوئی بخطِ مصنف یا عہدِ مصنف کا ہے؟ قاری یہ بھی سوچتا ہے کہ خانقاہ مظہریہ، دہلی کے خطی ذخائر کی کوئی فہرست بھی شائع شدہ ہے یا نہیں؟

• اندراج-۱۲۲ شاہ حسین حقیقت ویلوری سے متعلق ہے۔ اِس اندراج میں مؤلف مظہر العلماء کا انحصار تذکرۂ علمائے ہند پر تھا جس میں حقیقت کی تالیف خزینۃ الامثال کے بارے میں لکھا گیا ہے: ''درآں امثال

---

۱ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۴۷۰۔
۲ ایضاً: ۴۶۵۔
۳ ایضاً: ۴۷۶۔
۴ ایضاً: ۴۶۵۔
۵ ایضاً: ۴۷۶۔
۶ ایضاً: ۵۱۵۔

Scanned with CamScanner

عربی و فارسی و ہندی بسال دوازدہ صد و پانزدہ، ہجری جمع آوردہ... دیباچہ اش در ہر سہ السنہ حسن اتمام پذیرفت و بعد اختتام... تاریخش نیز در ہر سہ بیان گشت[1]۔"

مولف مظہر العلماء اپنے ماخذ کا درست مفہوم اُردو میں منتقل نہیں کر سکے۔ یہ بتانے کے بجائے کہ کتاب کا دیباچہ تین زبانوں، عربی، فارسی اور ہندی (یعنی اُردو) میں ہے، اور اس طرح خاتمے پر قطعۂ تاریخ بھی تین زبانوں پر مشتمل ہے، یہ لکھ دیا کہ "ایک کتاب خزینۃ الامثال فارسی، عربی [اور] ہندی ضرب الامثال [پر] ۱۲۱۵ھ [۱۸۰۰-۰۱] میں ایسی لکھی جو لاجواب رہی... خزینۃ الامثال کے اختتام کی تاریخ بھی اسی صنعت میں لکھی[2]۔"

قطعۂ تاریخ کے تین اشعار میں پہلا عربی، دوسرا فارسی اور تیسرا اُردو میں ہے، اُردو شعر میں تاریخ کہی گئی ہے:

کر خزینے سے صرف ساٹھے عدد ۶۰ — بولا ہاتف خزینۃ الامثال ۱۲۷۵ھ

مصرعہ ثانی کے اعداد ۱۲۷۵ سے ۶۰ منہا کرنے پر کتاب کا سالِ اختتام ۱۲۱۵ھ برآمد ہو جاتا ہے۔

جناب نورانی پورے شعر پر توجہ مرکوز نہیں کر سکے، اور صرف مصرعہ ثانی کے اعداد ۱۲۷۵ دیکھ کر الجھن کا شکار ہوئے اور حاشیے میں لکھ دیا: "غالباً ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰-۰۱ء میں مذکورہ کتاب لکھنے کا آغاز کیا ہوگا اور اختتام ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸-۵۹ء میں ہوا، اس لیے کتاب کے آخر میں اُردو، عربی اور فارسی کے تینوں اشعار میں اس کی تاریخ کہی ہے جس کا ذکر متن میں کیا گیا ہے[3]۔"

یہ بھی خوب کہی کہ تینوں اشعار میں تاریخ کہی، حالانکہ تاریخ صرف آخری شعر میں ہے، جو اوپر مذکور ہوا، تاہم باقی دو اشعار (بالترتیب عربی و فارسی) یہ ہیں:

عین اتمت هذه النسخة — مستعينا بربي المتعال

سال تاریخ خواستم کہ کنم — ہم زنامش عیاں بر اہل کمال

● اندراج-۱۲۶ میں مولانا حفیظ اللہ (مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کے سرکاری خطاب شمس العلماء کو لقب قرار دینے سے قطع نظر اُن کی تاریخِ وفات ۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ/[۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء] درج کی ہے[4]، جب کہ مولانا مرحوم کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کی رحلت پر تعزیتی شذرہ جنوری ۱۹۴۴ء کے شمارۂ معارف (اعظم گڑھ) میں لکھا ہے، اور تاریخِ وفات ۷ ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ درج کی ہے اور یہی صحیح ہے[5]۔

۱۔ رحمٰن علی، تذکرۂ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ: ۴۹۔

۲۔ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۱۴۸۔

۳۔ ایضاً: ۵۳۴۔

۴۔ ایضاً: ۵۳۵۔

۵۔ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، جنوری ۱۹۴۴: ۶۳-۶۴۔

Scanned with CamScanner

• تعلیقہ بابت اندراج-۲۴۴ میں مولانا عبدالجبار عمر پوری کی تالیفات میں ارشاد الانام فی فرضیۃ الفاتحہ خلف الامام اور تبصرۃ الانام فی فرضیۃ الجمعہ والفاتحہ خلف الامام کا ذکر کیا گیا ہے[1]۔ جناب نورانی کا ماخذ تراجم علماے حدیث ہند ہے[2]۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ ایک حنفی عالم مفتی نظام الدین نے ایک رسالہ جمعہ الانام کے نام سے لکھا جس میں اقامتِ جمعہ کو مصر جامع کے ساتھ مخصوص کیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا عبدالجبار نے رسالہ ارشاد الانام بفرضیۃ الجمعہ فی کل مقام لکھا۔ مفتی نظام الدین نے بطور جواب الجواب رسالہ صیانۃ الانام تالیف کیا جس کی تردید میں مولانا عبدالجبار نے بارویگر تبصرۃ الانام بردمغالطات صیانۃ الانام لکھا[3]۔

• اندراج-۲۷۳ میں عبدالرحمٰن لکھنوی کے بارے میں لکھا گیا ہے: ''سماع کے بہت دلدادہ تھے اور جو اس کا انکار کرے، اُسے کافر کہتے تھے[4]۔''

مولانا عبدالرحمٰن کو وحدت الوجود میں بہت غلو تھا، حتیٰ کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۹۳۷ء) جیسے وجودی بزرگ بھی اُن سے اتفاق نہ کر سکے[5]۔ مولانا عبدالرحمٰن لکھنوی کے افکار اُن کی تالیف کلمۃ الحق سے عیاں ہیں، نیز اُن کے مجموعۂ ملفوظات انوار الرحمٰن اور اس کی اُردو تلخیص نور الرحمٰن سے بھی واضح ہیں[6]۔ تصورِ وحدت الوجود میں ان کے غلو کا نتیجہ تھا کہ وہ وحدت الوجود کا انکار کرنے والوں کی تکفیر کرتے تھے۔ جناب نورانی کے ایک مأخذ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) میں اُن کے بارے میں رائے دی گئی ہے: ''جو کوئی مسئلہ وحدت الوجود میں اُن کے اعتقاد کے خلاف ہوتا، اس کو کافر سمجھتے تھے[7]۔''

• اندراج-۲۵۲ متعلق بہ مولانا عبدالحق حقانی میں البیان فی علوم القرآن اور اس کے انگریزی ترجمے کا ذکر کیا

---

[1] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۶۰۴۔

[2] ملک ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، تراجم علماے حدیث ہند، کراچی: مکتبہ اہل حدیث فرسٹ، س۔ن: ۱۶۶۔

[3] مولانا عبدالجبار عمر پوری کے رسالوں ارشاد الانام اور تبصرۃ الانام کی بالترتیب طباعتی تفصیلات یہ ہیں: اوّل الذکر- لاہور: مطبع صدیقی، صفحات ۳۰۔ ثانی الذکر- بنارس: مطبع سعید المطابع، ۱۳۱۸ھ (صہیب حسن و سہیل حسن، مولانا عبدالغفار حسن: حیات و خدمات، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۰: ۲۲)

[4] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۶۱۹۔

[5] دیکھیے: پیر مہر علی شاہ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (مترجمہ عبدالرحمٰن بنگوی و فیض احمد)، راول پنڈی: ۱۳۸۱ھ۔

[6] مولانا عبدالرحمٰن کا مجموعۂ ملفوظات انوار الرحمٰن (مرتبہ محمد نور اللہ بھمبر ایونی) مطبع منشی کالی پرشاد، لکھنؤ سے ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں طبع ہوا، اور اس کی اُردو تلخیص نور الرحمٰن (دہلی: محبوب المطابع، ۱۹۴۹ء) کراچی (پاکستان) سے بھی شائع ہوئی ہے۔

[7] عبدالقادر رام پوری، علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی)، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۰: ۱۶۴۔

Scanned with CamScanner

گیا ہے[۱]۔ اگرچہ یہ الگ کتاب کے طور پر شائع ہوا ہے، مگر اصلاً یہ اُن کی تفسیر فتح المنان فی تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر حقانی کا مقدمہ ہے۔

• مولانا عبدالغفور داناپوری کو صاحبِ متن، مولانا سیّد محمد حسین بدایونی نے حنفی المسلک قرار دیا ہے[۲] جناب خوشتر نورانی نے حسب ذیل حاشیہ درج کیا ہے:

> نزہتہ الخواطر میں مذکور ہے کہ مولانا عبدالغفور داناپوری عامل بالحدیث یعنی غیر مقلد تھے، جب کہ زیرِ نظر تذکرے میں مصنّف نے مولانا کو حنفی لکھا ہے، نیز اس حیثیت سے غیر مقلدین کے کسی بھی معتبر تذکرے میں مولانا کا نام شامل نہیں[۳]۔

مولانا عبدالغفور دانا پوری کے مسلک کے تعیّن کے لیے بنیادی مآخذ تو ان کی تصنیفات ہیں، جو ہماری دسترس میں نہیں۔ انھوں نے مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی سے شاگردانہ استفادہ کیا تھا اور مدرسہ اصلاح المسلمین سلطان گنج، پٹنہ میں مدرس اوّل تھے۔ یہ مدرسہ خانوادۂ صادق پور کے مولانا عبدالرحیم صادق پوری (م ۱۹۲۳ء) نے قائم کیا تھا، سیّد مظفر اقبال مؤلف بہار میں اُردو نثر کا ارتقاء (۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک) نے مولانا داناپوری کی چند دینیاتی کتابوں کی تفصیل دی ہے۔ اُن میں سے ایک النجم الثاقب لاهتداء لمن يدعى الدين الواصب (حصہ اوّل)[۴] ہے۔ مولانا ولایت علی صادق پوری کے رسالہ اربعین فی بیان خروج المهدیین کے جواب میں ایک رسالہ الدین الواصب فی مسئلۃ اعتقاد الامام الغائب لکھا گیا تھا۔ مولانا داناپوری نے آخر الذکر کی تردید کی ہے اور اُن کے نزدیک الدین الواصب ... کے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں[۵]۔"

انیسویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ تحریکِ ندوۃ العلماء کی اُٹھان کا عشرہ تھا۔ جہاں اِس تحریک کو مسلکی خلیج کے علی الرغم عربی مدارس کے نصاب کی اصلاح کے لیے حمایت حاصل ہوئی، وہیں بریلی و بدایوں کے بعض حنفی متشدّد اہلِ علم نے اِس کی شدید مخالفت کی۔ مجلس ندوۃ العلماء کا تیسرا اجلاس مولانا احمد رضا خاں کے شہر بریلی میں ہوا (۲۶-۲۸ شوال ۱۳۱۳ھ/ اپریل ۱۸۹۶ء)، تو تحریک ندوۃ العلماء کی مخالفت میں مزید شدت آ گئی۔ اِس دوران میں قاضی عبدالوحید (م ۱۹۰۸ء)[۶] نے بانکی پور سے

---

۱ تذکرۂ علماے ہندوستان: ۶۰۸۔

۲ ایضاً: ۲۴۳۔ ۳ ایضاً: ۶۳۶-۶۳۷۔

۴ پٹنہ: مطبع احمدی، ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء بحوالہ سیّد مظفر اقبال، بہار میں اُردو نثر کا ارتقا۔۔۔، ترپولیا (پٹنہ): کتاب خانہ، ۱۹۸۰ء: ۶۸۔

۵ سیّد مظفر اقبال، حوالہ مذکورہ: ۶۸۔

۶ قاضی عبدالوحید، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ تھے۔ قاضی صاحب کے صاحبزادے قاضی عبدالودود (م ۱۹۸۴ء) نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

(بقیہ اگلے صفحے پر...)

رسالہ مخزنِ تحقیق ملقب بہ تحفہ حنفیہ محاربہ ۱۸۹۷ء میں جاری کیا[۱] جو مولانا احمد رضا خان کے فکر و دانش کا علم بردار تھا۔ اِس رسالے میں تحریکِ جہاد و اصلاح کے افرادِ کار کی تکفیر سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا۔ مولانا عبدالغفور داناپوری نے اِس پس منظر میں رسالہ الدرر المضیہ لتحفۃ الحنفیہ ملقب بہ رسالہ منع تکفیر لکھا[۲]۔

اُن کے باقی ماندہ رشحاتِ قلم میں رسالہ حرمتِ سجدۂ قبور اور رسالہ حرمتِ طوافِ قبور ہیں[۳]۔ اُن کی ملازمت اور تصنیفات کے موضوعات تو اِس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ وہ اہلِ حدیث مسلک کے حامل تھے، اور بہار میں اُردو نثر کا ارتقاء کے مؤلف نے اُن کی تالیفات کا ذکر ''اہلِ حدیث تحریک'' اور اِس کی تائید میں لکھی گئی کتابوں کے تحت کیا ہے۔

• اندراج-۴۵۴ میں مولانا فقیر اللہ کٹھوی[۴] کا سالِ وفات، غالباً نزہتہ الخواطر پر انحصار کرتے ہوئے ۱۳۳۴ھ/ ۱۶-۱۹۱۵ء درج کیا گیا ہے[۵]۔ اہلِ حدیث تذکرہ نگار مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی نے اُن کی تاریخِ وفات ۹ شوال ۱۳۴۱ھ/ [۲۵ مئی ۱۹۲۲ء] درج کی ہے[۶]۔

نزہتہ الخواطر کا مرقومہ سالِ وفات اِس لیے غلط ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن

(... گذشتہ سے پیوستہ)

میرے دادا میرے والد کو تعلیم کے لیے انگلستان بھیجنا چاہتے تھے، لیکن وہ کسی طرح اِس پر راضی نہ ہوئے۔ وہ عقائد میں احمد رضا خانی ہو گئے تھے اور یقینِ کامل رکھتے تھے کہ تہتر فرقوں میں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، صرف ایک ناجی ہے اور وہ فرقہ اہلِ سنت و الجماعت کا ہے۔ اُنھوں نے ندوۃ العلماء کی سخت مخالفت کی... انھوں نے احمد رضا خانی عقائد کی تبلیغ کے لیے ایک ماہانہ رسالہ تحفہ حنفیہ نکالا تھا جو اُن کی وفات کے سال دو سال بعد تک جاری رہا۔ (''من کہ قاضی عبدالودود...'' مشمولہ یادگار نامۂ قاضی عبدالودود، مرتبہ نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۰: ۱۲-۱۳)

۱ رسالے کے نام کے پہلے جزو مخزنِ تحقیق سے سال اجراء ۱۳۰۵ھ/ [۱۸۹۷ء] نکلتا ہے۔

۲ سیّد مظفر اقبال، بہار میں اُردو نثر کا ارتقاء۔۔۔، حوالہ مذکورہ: ۷۰۔

۳ ایضاً: ۷۰-۷۱۔

۴ تذکرۂ علمائے ہندوستان کے متن اور تعلیقات و حواشی میں مولانا فقیر اللہ کا ترجمہ ''کٹھوی'' کی نسبت سے لکھا گیا ہے، اس کے علاوہ شاہ پوری، مدراسی اور وزیر آبادی کی صفاتِ نسبتی کے ساتھ بھی اُن کا نام مذکور ہے۔ اشاریے میں دو اور صفاتِ نسبتی بنگلوری اور پنجابی کا اضافہ کرتے ہوئے ایک ہی شخص کا ذکر اوپر نیچے پانچ افراد کے طور پر کیا گیا ہے، اور پُر لطف بات یہ ہے کہ اشاریے میں فقیر اللہ کٹھوی شامل نہیں۔

۵ تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۲۱۷۔

۶ عبدالمجید خادم سوہدروی، سیرتِ ثنائی، سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ: دفتر اہلِ حدیث [۱۹۵۲]: ۳۷۲- حاشیہ۔

بکلام الرحمٰن پر مولانا امرتسری اور علماے غزنویہ کے درمیان جو شدید اختلاف پیدا ہوا تھا، اور دونوں طرف سے رسالہ بازی بھی ہوئی تھی۔ معتدل مزاج اہلِ حدیث رجال کی خواہش کے مطابق فریقین کے درمیان افہام و تفہیم کی جو کوششیں ہوئی تھیں، ان میں سے ایک مدراس میں مصالحت نامہ کی تحریر تھی۔ یہ مصالحت نامہ ۵ مئی ۱۹۱۸ء/۲۳ رجب ۱۳۳۶ھ کو لکھا گیا تھا، اور اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مخالف فریق کی طرف سے مولانا فقیر اللہ مدراسی اور مولانا عبدالاحد خان پوری نے دستخط کیے تھے[1]۔

جناب خوشتر نورانی نے مظہر العلماء کے تکملے میں مذکور ۳۶۳ افراد میں سے صرف ۲۷ کے بارے میں قلم اُٹھایا ہے۔ ان میں سے بعض عرفِ عام میں حلقۂ علماء میں شامل نہیں سمجھے جاتے، وہ جدید تعلیم یافتہ اہلِ علم ہیں یا ادب و شعر کی دُنیا کے مشاہیر ہیں۔

تکملے میں شامل مشاہیر میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کے حالات علماء و مشائخ اور مشاہیر کے تذکروں میں شائع ہو چکے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض کی تو مستقل بالذات سوانح عمریاں بھی مل جاتی ہیں۔ یہ کام ادھورا کیوں چھوڑ دیا گیا، اِس کا جواب تو جناب خوشتر نورانی ہی دے سکتے ہیں، تاہم اُن سے اِس کام کی تکمیل کی توقع شاید بے جا نہ ہو!

تکملے میں اُنھوں نے اپنے تراجم کے مآخذ و مصادر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ ڈسکھ [کذا: ڈسکہ] کے مولوی فیروز الدین ولد امام الدین کو اُنھوں نے لاہور کے معروف ناشرِ کتب مولوی فیروز الدین سمجھ کر آخر الذکر کے حالات شامل کر لیے ہیں[2]۔

تکملے میں شامل جن علماء کے بارے میں مرتب کی جانب سے قلم اُٹھایا گیا ہے، اُن کے تراجم کے لیے چنداں ثقہ مآخذ و مصادر کی جانب توجہ نہیں دی جا سکی۔ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری پر حاشیہ لکھا گیا ہے، مگر نہ اُن کے والدِ گرامی کا نام مذکور ہے، اور نہ تاریخِ ولادت ہی بتائی جا سکی۔ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے صاحبزادے مولانا اسلم جیراج پوری نے اپنی طالب علمی کے احوال بیان کرتے ہوئے ضمناً اپنے والدِ گرامی اور بھوپال کے دوسرے علماء کے بارے میں بعض قابلِ قدر اطلاعات دی ہیں[3]۔

جہاں تک جناب خوشتر نورانی کے ذاتی زاویۂ نظر کا تعلق ہے، وہ بریلی اور بدایون کے اُن علماء کرام سے فکری وابستگی رکھتے ہیں جنھوں نے تحریکِ اصلاح و جہاد سے وابستہ افراد کے عقیدہ و مسلک کے حوالے سے سخت گیر موقف اختیار کیا تھا، اور یہ موقف مسلسل بیان کیا جا رہا ہے، چنانچہ نورانی صاحب اہلِ سنت کے دوسرے مکاتبِ فکر — اہلِ حدیث اور متعلقین دارالعلوم دیوبند — کے بارے میں ذاتی تحفظات رکھتے ہیں،

---

[1] عبدالمجید خادم سوہدروی، سیرتِ ثنائی: ۳۷۴-۳۷۵۔

[2] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۴۴۴-۴۴۵۔

[3] اسلم جیراج پوری، نوادرات، کراچی: ادارۂ طلوعِ اسلام [۱۹۵۱]: ۳۴۲-۳۹۹۔

اور اِن تحفظات کا اظہار اُن کی تعلیقات و حواشی سے بھی ہوتا ہے۔

سیّد احمد شہیدؒ کی تحریکِ اصلاح و جہاد کے حوالے سے وہ ایک کتاب — تحریکِ جہاد اور برٹش گورنمنٹ: ایک تحقیقی مطالعہ — کے مصنف ہیں جو وطنِ عزیز میں شائع ہو چکی ہے[1]۔ اِس کتاب کے مندرجات کا جائزہ زیرِ نظر تحریر میں مناسب نہیں، البتہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں اُن کے تعلیقے کے حوالے سے دو چار باتیں ضروری ہیں۔ اولاً اُنھوں نے بصورتِ کتاب جو کچھ لکھا ہے، اُس کا اِس لیے جواز بنتا ہے کہ اپنے موضوع پر وہ ایک ''مقدمہ'' تیار کر رہے تھے، قطع نظر اِس کے کہ وہ ''مقدمہ'' کتنا مضبوط یا کمزور ہے۔ وہ ایک مستقل واضح نقطۂ نظر کی حامل تحریر ہے۔ اِس کے برعکس زیرِ نظر کتاب کی نوعیت بالکل مختلف ہے، یہاں کسی خاص مسلک یا دینی و سیاسی نقطۂ نظر کی وکالت مقصود نہیں، بلکہ برعظیم سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کا سوانحی تعارف مقصود ہے، اور اگر کسی عالم کے مسلک اور رویّے کا اظہار ضروری ہے تو اختلافِ نظر رکھنے والوں کے باہم متضاد نقطہ ہاے نظر کا بیان کر دیا جانا لازم ہے، مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہو سکا۔ ثانیاً خوشتر نورانی صاحب نے شاہ اسمٰعیل شہید کی شخصیت اور کارکردگی کے اظہار کے لیے مرزا حیرت دہلوی (م ۱۹۲۸ء) کی تالیف حیاتِ طیبہ کا سہارا لیا ہے[2]، حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ تحریکِ جہاد پر قلم اُٹھانے والے اہلِ قلم نے حیاتِ طیبہ کو قابلِ استناد نہیں سمجھا[3]، حالانکہ وہ شاہ اسمٰعیل شہید کے فکر و دانش کے، مرزا صاحب سے کہیں زیادہ قدر شناس تھے۔ مرزا حیرت دہلوی اپنے مزاج کے اعتبار سے کس حد تک ناقابلِ اعتماد ''مورخ'' ہیں؟ کاش جناب خوشتر نورانی نے مؤلف مظہر العلماء کی یہ راے ہی پیشِ نظر رکھی ہوتی!

> آپ کرزن گزٹ کے مالک و مہتمم ہیں، جودتِ طبع نے نچلا [غیر معروف][4] نہ رہنے دیا۔ نام آوری یا اخبار چلتا بنانے کی غرض سے ''کل جدید لذیذ'' کے موافق اور تو کوئی نیا مضمون ہاتھ نہ آیا، سیّد الشہداء مظلومِ کربلا حضرت حسین علیہ السلام پر ہاتھ صاف کیا، آپ کی شہادت و مدفن سے صاف انکار چھاپ دیا، خوب تشہیر ہوئی، پھر علماے کرام و مشائخِ عظام نے بذریعہ رسائل و اخبارات بدلائل معقول و منقول شہادت و مدفن ثابت کر دیا۔ جب اس مضمون سے فراغت پائی تو الہام کی ٹھہری، ملہم ربانی ہوئے، حلقۂ ربّانی کا جدید ڈھنگ نکالا...[5]

---

[1] کراچی: دار النعمان، ۲۰۱۴ء۔ [2] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۷۵۶۔

[3] مولانا غلام رسول مہر (م ۱۹۷۱ء) کے الفاظ میں حیاتِ طیبہ: ''تاریخ نہیں، بلکہ افسانہ ہے۔ کئی واقعات و حالات بدایۃً ایسے ہیں جو میرزا [حیرت] صاحب نے خود تیار کر لیے... یہ کتاب سراسر ناقابلِ اعتماد ہے۔'' (سیّد احمد شہید، لاہور: کتاب منزل، س۔ن: ۲۲)۔

[4] جناب خوشتر نورانی نے ''نچلا نہ رہنے'' کا جو مفہوم [ ] درج کیا ہے، درست نہیں۔

[5] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۴۲۸۔

ثالثاً خوشتر نورانی نے مولانا ابوالحسن زید فاروقی کے مطالعہ و تحقیق کے اس حاصل کو نمایاں کیا ہے کہ ''شاہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کی تصنیف و اشاعت کے بعد متحدہ ہندوستان میں فکری انحرافات کا جو سلسلہ شروع ہوا، اُس نے مسلکی گروپ ازم کی تشکیل کی[1]۔'' کیا ہی بہتر ہوتا کہ اِس کے ساتھ ہی مولانا نسیم احمد فریدی اور مولانا محمد منظور نعمانی کی اُن تحریروں کا حوالہ بھی دے دیا جاتا جو مولانا ابوالحسن زید فاروقی کی تحریر کے جواب میں سامنے آئی تھیں، اور مولانا فاروقی نے اُن کا کوئی جواب الجواب نہ لکھا۔

شاہ اسمٰعیل شہید کے علاوہ میاں صاحب سیّد نذیر حسین دہلوی کے بارے میں بھی ایسی ہی باتیں لکھ دی ہیں۔ ۱۲۸۱ھ/ ۶۵-۱۸۶۴ء میں اُنھیں نوآبادیاتی حکمرانوں نے ایک ماہ تک قید میں رکھا تھا۔ اِس کا سبب کیا تھا؟ جناب خوشتر نورانی کا تجزیہ ہے: ''اہلِ سنت و جماعت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے سلسلے میں... قید میں رکھا گیا تھا[2]۔'' کیا یہ سمجھا جائے کہ نوآبادیاتی حکمران اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و مسلک کے تحفظ کے لیے کوشاں تھے؟ یقیناً یہ بات درست نہیں، میاں صاحب سیّد نذیر حسین دہلوی کے بارے میں نوآبادیاتی حکمرانوں کی سوچ (perception) یہ تھی کہ وہ سرحد پار مجاہدین سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔

سیّد عبدالحی رائے بریلوی کے حوالے سے درج کیا گیا ہے کہ ''جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے سے منع کر دیا[3]۔'' جملہ زیادہ واضح نہیں، تاہم ایک واقعہ کی مثبت موجودگی کے خلاف اگر سو افراد اِس کی نفی کرتے ہوں تو اصولاً اُن کی نفی کی کوئی حیثیت نہیں۔ ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد بارہا شائع ہوا ہے، اور اس پر مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی کے دستخط موجود ہیں۔ اِس ثبوت کے باوجود مولانا سیّد عبدالحی رائے بریلوی یا مولانا دہلوی کے سوانح نگار فضل حسین کی روایات کی کیا اہمیت ہے؟ کاش جناب خوشتر نورانی اپنے مصادر میں سے پروفیسر محمد ایوب قادری کی تالیف جنگِ آزادی ۱۸۵۷: واقعات و شخصیات پر نظر ڈال لیتے جس میں فتویٰ جہاد کا متن اور اِس پر دستخط کنندگان کے نام درج کیے گئے ہیں۔

برا ہو مسلکی تعصب کا کہ مولانا حسین احمد مدنی کا ذکر اُن کی اختیار کردہ صفتِ نسبتی کے بجاے ''فیض آبادی'' سے کیا گیا ہے[4]۔ جب وہ تالیفات پر حسین احمد مدنی لکھتے ہیں، تو کسی کو اُن کے اختیار کردہ نام کو بدلنے کی کیوں ضرورت پڑے۔

تذکرۂ علماے ہندوستان کی ورق گردانی کرتے ہوئے بعض اماکن کے نام نادرست نظر آئے۔ ان میں سے کچھ نام یہ ہیں[5]: بندہ [۵۳۵، بندی]، بہا بھڑہ [۲۸۷، بھا بھڑہ]، بھربھا [۴۲۸، پھر یہا]، ٹنڈہ محمد خان [۲۲۳، ٹنڈو محمد خان]، چھچہ [۴۰۷، چھچھ]، حلوابی [۴۱۶، صوابی]، ڈھابیل [۶۷۱، ڈابھیل]، ڈسکھ [۴۴۴،

---

[1] تذکرۂ علماے ہندوستان: ۷۵۶۔ [2] ایضاً: ۸۱۲۔

[3] ایضاً: ۸۱۲۔ [4] ایضاً: ۵۵۳، ۶۳۳۔

[5] جگہ کا نام پہلے تذکرۂ علماے ہندوستان کے مطابق درج کیا ہے، اِس کے بعد [ ] کے اندر متعلقہ صفحے کی نشان دہی کی گئی ہے، اور اِس کے ساتھ ممکنہ حد تک جگہ کا درست نام درج کیا گیا ہے۔

[۲۲۷، شاہ پور]، لسہ بیلہ [۲۶۷، لس بیلہ]، مٹاری [۲۶۷، ۲۸۲، ۴۱۷، ٹیاری]، مہاروں [۲۱۱، مہار یا مہاراں]۔

کشمیر کے بعض افراد کے ناموں کے ساتھ بطور پہچان ''ٹوپی گرد'' لکھا گیا ہے[1]۔ درست عرف ''ٹوپی گرد'' ہے۔ مؤلف مظہر العلماء نے تو اپنی تحریر میں مولانا محمود حسن کا نام درست طور پر لکھا ہے، مگر جناب خوشتر نورانی نے اُن کا نام اکثر محمود الحسن درج کیا ہے۔

تذکرۂ علمائے ہندوستان میں کتابوں کے نام کہیں نسخ میں لکھے گئے ہیں، اور کہیں متن کی کتابت کے مطابق نستعلیق میں، کہیں کہیں نسخ میں لکھے گئے ناموں کے ساتھ قوسین میں لفظ 'عربی' لکھ دیا گیا ہے، یعنی قاری کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جن کتابوں کے نام نسخ میں ہیں، وہ لازماً عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، اور باقی اُردو اور فارسی میں ہیں، یا محتاط لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ عربی زبان میں نہیں۔

عربی کتابوں کے نام اہتمام سے نسخ میں لکھنے کے لیے وسیع کتابیاتی معلومات کی ضرورت ہے۔ دو نسل پہلے کے متعدد علماء کی تصنیفات کے نام عربی میں ہیں، اور کتابیں فارسی میں ہیں یا اُردو میں۔ محض کتاب کے نام سے اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کتاب عربی، فارسی یا اُردو کس زبان میں ہے۔ تذکرۂ علمائے ہندوستان کا حال یہ ہے کہ

• ایک ہی کتاب کا نام کبھی خطِ نسخ میں لکھ دیا گیا ہے، اور کبھی نستعلیق میں، اور یہ دو رنگی کبھی کبھی ایک ہی صفحے پر نظر آتی ہے۔ قاضی ارتضا علی خاں گوپامئوی کی تالیف النفائس الارتضائیہ کو ایک بار نستعلیق میں لکھا ہے، اور دوسری بار نسخ میں[2]۔

• بعض عربی کتابوں کا ذکر، اُن کی زبان کی صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے، مگر وہ نسخ میں نہیں۔ قاضی سراج الدین علی موہانی کے تذکرے میں لکھا گیا ہے: ''[انھوں نے]... کتاب جامع التنویرات بزبانِ عربی لکھی[3]''، مگر نام جامع التنویرات کے لیے خطِ نسخ استعمال نہیں ہوا۔ یہی کیفیت عربی اخبار نسیم الصبا کی ہے[4]۔

• بہت سی فارسی کتابوں کے نام خطِ نسخ میں ہیں۔ مثال کے طور پر قاضی ارتضا علی خاں گوپامئوی کی تالیف تنبیہ الفضول فی اثبات اسلام آباء الرسول کی زبان فارسی ہے، مگر اندراج خطِ نسخ میں ہے[5]۔

تذکرۂ علمائے ہندوستان کی طباعتی اغلاط کے حوالے سے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر جناب خوشتر نورانی نے ایک نظر مطبوعہ نسخے کو دیکھ لیا تو وہ خود ہی تصحیح کر لیں گے، اور مشورہ تو یہی ہے کہ وہ اِسے بامعان نظر پڑھیں، زبان و بیان کا جھول بھی درست کر لیں۔

اُن سے مزید اچھی کاوشوں کی توقع ہے۔

---

[1] تذکرۂ علمائے ہندوستان: ۱۶۹، ۳۱۶۔ [2] ایضاً: ۴۸۳۔
[3] ایضاً: ۱۷۸۔ [4] ایضاً: ۲۰۰، مزید دیکھیے: ۲۵۱۔ [5] ایضاً: ۴۸۳۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner